اسرار التنزیل از مولانا محمد اکرم اعوان۔ صوفیانہ تفسیری رجحان کی نمائندہ تفسیر

عاصم نعیم*

In this article a critical analysis of " Israrut-Tanzil" is being presented , which is written by MualanaAkramAwan , a renowned Sufi scholar of Pakistan . There are a number of methods of explaining the Quran. One is called the " Sufi way" or the " Tafseer-e-Ishari" . Sufism is the way towards the knowledge of self and the relation with our Lord ,Allah. Sufism comprises the inner knowledge that is presented to us in the Holy Quran. Sufi is the term attributed to a person practicing Sufism. In this tafseer the author has explained the meanings of Quran in simple way, using the Sufi terminologies .Hedid'nt oppose the shariah commandments in any place in his work. His writing is meaningful and interesting. He focused the message of Quran and proved successful in his attempt.

تفسیر قرآن کے سلسلے میں جہاں اہلِ علم کے ہاں کئی رجحانات موجود ہیں ، وہاں ایک رجحان صوفیانہ تفسیر کا بھی ہے جس میں ایک صوفی کلام الٰہی کی ظاہری تفسیر، جس پر شریعتِ اسلامیہ کی بنیاد ہے کو مرکز و محور بناتے ہوئے ایسے علوم و معارف بیان کرتا ہے، جو مطالعہ قرآن کے دور ان اس کے قلب پر منکشف ہوتے ہیں ۔ یہ معارف اس کے مطالعے کا حاصل اور بعض اوقات اس کے وجدانی استنباطات کا ثمر ہوتے ہیں۔ صوفیا کی تفاسیر تاریخی اہمیت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ علمِ تفسیر میں ایک خاص پہلو کی نشان دہی کرتی ہیں ۔ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن ان تفاسیر کا اولین مقصدِ تالیف ہوتا ہے۔ تاہم اس رجحان کی تفاسیر میں تفسیر بالرائے الجائز کے ساتھ ساتھ تفسیر بالرائے المذموم کی نمائندہ تفسیریں بھی ہیں۔ان میں بعض وہ مبتدعین بھی ہیں، جو کلامِ الٰہی کے معانی بیان کرنے میں جمہور کے ہاں موجود مسلّمہ اصول و قواعد کی پابندی نہیں کرتے ، اور ان کی تاویلات گمراہی کا باعث بنتی ہیں۔ان میں کچھ غالی متصوفین بھی شامل ہیں کہ جن کے بیان کردہ نکات کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نکات و معارف وہ مقبول ہیں، جن کی تائید کتاب وسنت سے ہو جائے۔ اگر قرآن مجید کو فرقہ باطنیہ اور مبتدعین کی طرح من مانی تاویلات کا نشانہ بنایا جائے تو پھر یہ کتاب، ہدایت کے بجائے گمراہی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

بر صغیر میں مختلف علوم وفنون کی طرح فن تفسیر کا آغاز بھی قدما کی تصانیف پر شروح و حواشی سے ہوا۔ یہاں یہ بات اہم اور لائق توجہ ہے کہ ہندوستان میں فن تفسیر کی ابتدا تصوف کے زیر اثر ہوئی، چنانچہ سب سے پہلے لکھی گئی تفسیری تصنیف خالص اسی مقصد کے تحت لکھی گئی۔بر صغیر کے متقدم صوفی مفسرین میں شیخ محمد بن احمد شریحی (م ۶۸۴ھ)، شیخ محمد بن یوسف حسینی گیسودراز (م ۸۲۵ھ)، شیخ علی بن احمد مہائمی (م ۸۲۵ھ)، قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۴ھ)، شیخ حسن محمد احمد آبادی گجراتی (م ۹۸۲ھ)، شیخ یعقوب صرفی کشمیری (م ۱۰۰۳ھ)، شیخ منور بن عبدالحمید لاہوری (م ۱۰۱۱ھ)، شیخ غلام نقش بند گھوسوی (م ۱۱۲۶ھ) ، ملا جیون امیٹھوی (م ۱۱۳۰ھ)، شیخ علی اصغر قنوجی (م ۱۱۴۰ھ)، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (م ۱۱۴۱ھ)، قاضی ثناءاللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) اور شیخ نظام الدین تھانیسری وغیرہم شامل ہیں۔

بر صغیر کے اردو تفسیری ادب میں صوفیانہ رموز واسرار کے حوالے سے سب سے عمدہ تفسیری کام مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن میں موجود ہے۔علاوہ ازیں مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مفتی محمد شفیع، مفتی احمد یار نعیمی، پیر کرم شاہ الازہری، مولانا محمد اکرم اعوان اور غلام رسول سعیدی کی تفاسیر میں صوفیانہ رنگ موجود ہے۔ مولانا محمد اکرم اعوان کی تفسیر اسرارالتنزیل، صوفیانہ تفسیری ادب میں ایک اہم اضافہ ہے۔ مصنف اور ان کی تفسیر کا تعارف ذیل میں دیا گیا ہے۔

تفسیر اسرارالتنزیل کے مصنف بیسویں صدی میں اُردو زبان میں جدید اُسلوب کے حامل ایک صوفی، مولانا محمد اکرم اعوان ہیں۔ مولانا محمد اکرم اعوان سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ، کے موجودہ شیخ ہیں۔اس سلسلہ کے پاکستان میں روح رواں مولانا اللہ یار خان (م ۱۹۸۴ء) تھے۔

مولانا محمد اکرم اعوان کی پیدائش ۱۳ دسمبر ۱۹۴۳ء، کو ڈھوک ٹلیانہ نور پور سیٹھی ، ضلع چکوال کے ایک اعوان خاندان میں ہوئی۔آپ کے خاندان کے زیادہ تر افراد انگریز دور میں فوج میں ملازمت کرتے رہے ۔آپ کے آباؤاجداد میں سے بعض علمی وادبی ذوق کے حامل تھے ۔[1] اپنی تعلیم کا آغاز سرکاری تعلیمی اداروں سے کیا۔ پرائمری، مڈل اور سیکنڈری سطح کی تعلیم روایتی سرکاری اداروں سے حاصل کی۔ خاندانی قبائلی لڑائیوں کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ عملی زندگی کا آغاز فوج کی ملازمت سے کیا۔ کچھ عرصہ بعد ٹیچنگ کورس کر کے قریبی گاؤں میں تدریس شروع

کی۔ دین سے دلچسپی کی بناپر دینی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔[2]تلاش حق میں خانقاہوں کا رخ کیا اور اپنے زمانے کے کئی معروف مشائخ کی قربت حاصل کی تاہم دلی اطمینان حاصل نہ ہوا۔ کئی سالوں تک خاک چھاننے کے بعد مولانا اللہ یار خان (ساکن چکڑالہ ضلع میانوالی) کی اصلاحی تقریریں سن کر ان سے نسبت قائم کر لی۔ [3] شیخ نے وظائف تعلیم کیے جن پر سختی سے کاربند رہے۔مسلسل سولہ برس تک آپ ہر پندرہ یوم کے بعد چکڑالہ ، شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نیا سبق لے کر آتے تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے متوسلین کے لیے سالانہ اجتماعات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ اس کے روح رواں ہوتے تھے۔[4] مولانا اللہ یار خان کی وفات کے بعد آپ کو ان کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا۔

تصنیفات:

اردو زبان میں دو تفسیروں اسرار التنزیل اور اکرم التفاسیر کے علاوہ تصوف کے موضوع پر ارشاد السالکین ، لطائف اور تزکیہ نفس ، نور و بشر کی حقیقت ، کنز الطالبین، طریق نسبت اویسیہ ، محافل ذکر، رموز دل اور کنوز دل آپ کی اہم تصنیفات ہیں ۔[5] ان تصنیفات میں تصوف کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کلامی موضوعات پر، راہی کرب و بلا، عصر حاضر کا امام اور حضرت امیر معاویہ، کتب لکھی ہیں ۔جس میں ان موضوعات پر بعض فرقوں کے غلط عقائد کی تردید کی ۔آپ ادبی ذوق بھی رکھتے ہیں اور شاعری میں آپ کی اب تک سات کتب چھپ چکی ہیں

تفسیر اسرار التنزیل کی وجہ تالیف اور منہج واسلوب:

تفسیر اسرار التنزیل، قرآن حکیم کی مکمل تفسیر ہے جو چھ اجزاء میں شائع ہوئی ہے۔ تفسیر کا مقدمہ پروفیسر عبدالرزاق نے لکھاہے۔آپ ستھرے علمی ذوق کے حامل اور سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ان کا مرقوم مقدمۂ تفسیر، دراصل اس حلقہ فکر کے تفسیری اصول ہیں۔اس حلقہ فکر کے نزدیک اہلِ علم اور اہلِ دل نے قرآن حکیم کے مختلف اوصاف کی تشریح اور تفصیل میں تفسیریں لکھی ہیں۔اہلِ علم کے نزدیک فنِ تفسیر کے چند خاص

تقاضے اور چند مخصوص شرائط ہیں۔ مثلاً تفسیر لکھنے میں حلّ لُغات، تلیلاِ صرفی، ترکیبِ نحوی، علمِ بدیع، اور علمِ معانی کی روشنی میں نکات، شانِ نزول کا بیان، ناسخ و منسوخ کی وضاحت، قرآن کے اجمال کی تفصیل، اس کے مطلق و مقید کی نشان دہی، آیات سے فقہی مسائل کا استنباط، اور علمِ کلام کی بحثیں وغیرہ، بے شمار ایسے مسائل ہیں، جن پر مفسرِ قرآن کو قلم اُٹھانا پڑتا ہے۔ اس حلقہ کے اہلِ علم، علمی تحقیقات کے تقاضے کے طور پر اس کو ضروری قرار دیے ٹ ہیں۔ [6] انہوں نے مختلف تفسیری رجحانات کو فطری اور ناگزیر قرار دیتے ہوئے، ان کی افادیت کو تسلیم کیا ہے، اور ان رجحانات کو مفسرین کی قلبی کیفیات اور علمی اکتسابات کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

تاہم ان کے نزدیک اس کتاب کے مقصدی وصف کے حصول کے لیے علمی نکات اور فنی باریکیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ قرآن، حصولِ ہدایت کے لیے ایک آسان کتاب ہے۔ اس حلقۂ فکر کے نزدیک حصولِ ہدایت کی فطری اور طبعی صورت یہ ہے کہ ہدایت بذریعہ قلب ہو، اس لیے کہ نزولِ قرآن کا مقام بھی قلبِ محمد ﷺ تھا۔ لہٰذا قرآن سے حصول ہدایت کے لیے قبل ازیں اللہ ورسول ﷺ پر ایمان سے محبت کا تعلق ضروری ہے . [7] بایں وجہ اُن کی نظر میں تفسیر کا سب سے قابلِ اعتماد اور کامل ترین ذریعہ صاحبِ قرآن ﷺ کی سیرت طیبہ ہے۔

مقدمہ نگار پروفیسر عبدالرزاق کے خیال میں زیرِ نظر تفسیر ایک منفرد اُسلوب رکھتی ہے، جس میں منظر کشی تو کم ہے، لیکن کیف و وجد کو اس طرح پیش کیا گیا ہے جسے قاری براہ راست اپنے دل میں اُترتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ یہ ایک الگ فن ہے اور مفسر اس فن کے ملکی و عالمی سطح پر مانے ہوئے ماہر ہیں، یہ اعجاز انہیں ایک صاحبِ حال و قال ہستی شیخ الطریقت مولانا اللہ یار خانؒ کی خدمت میں طویل عمر بسر کرنے کے صلہ میں نصیب ہوا۔ [8] نیز اپنے مرشد کی مسلسل صحبت نے مصنف کے قلب کو رموز و اسرارِ قرآن سے نسبت عطا کر دی، اور "محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کا پیغام اور قرآن کا مفہوم، اُن کے قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ جس کو اصطلاح میں علم لدُنّی کہتے ہیں"۔[9] پروفیسر صاحب نے اس تفسیر کو مولانا اکرم اعوان کی کرامات میں سے شمار کیا ہے کہ، یہ فہمِ قرآن اُنہیں ۱۹۷۱ء میں مقامِ ملتزم پر دُعا کے نتیجے میں عطا کیا گیا۔ [10] اس مکتبِ فکر کے نزیک قرآن فہمی سے مراد حصول معلومات نہیں بلکہ حصولِ کیفیات ہے۔ لہٰذا قرآن اس طرح پڑھا اور سمجھا جائے کہ دلوں کو تحریک ملے۔ یہ مقصد زیرِ بحث تفسیر کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ [11]

راقم کی رائے میں تفسیر کا مطالعہ کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ مصنف اگرچہ ایک صوفی ہیں اور مسائل سلوک اور اصطلاحاتِ تصوف کو دوران تفسیر متعلقہ مقامات پر زیر بحث لائے ہیں۔ لیکن اسے علم لدُنّی کہنا، محض عقیدت اور اپنے شیخ کے علوّ مرتبت کا اظہار ہے۔ مفسر موصوف وسیع المطالعہ ہیں اور تالیف زیرِ نظر میں سابقہ کتبِ تفسیر و حدیث و سیرت سے کافی اخذ واستفادہ کیا گیا ہے۔ مصنف کا تفسیری مواد عام طور پر قدیم وجدید مفسرین کی تفسیری کتب سے ملتا جلتا ہے۔ متعدد مقامات پر مصنف نے خود سے بھی لطیف نکتے بیان کیے ہیں۔ تاہم ان نکات کو نادر نکات اور اس تفسیر کو علم لدُنّی کا نتیجہ قرار دینا، دعویٰ بلادلیل ہے۔

تفسیر کی زبان سلیس اور سہل ہے۔ عبارات ادبی رنگ لیے ہوئے ہیں، اور مفسر کی قلبی کیفیات اور علمی اکتسابات کا نتیجہ ہیں۔ آیت میں بیان کردہ اہم مضمون کو بنیاد بنا کر اس کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں۔ آیت کے الفاظ محور و مرکز نہیں ہوتے۔ ربطِ آیات و دیگر فنی مباحث سے اعتنا نہیں کرتے۔ واعظانہ اور تقریری اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ [12]

صوفیانہ رنگ:

مصنف کا تعلق چوں کہ ایک سلسلہ تصوف "نقشبندیہ اویسیہ" سے ہے اور وہ اس سلسلہ کے مرشدِ طریقت ہیں۔ اس لیے ظاہری تفسیر ہونے کے باوجود، اس میں تصوف کا اثر نمایاں ہے۔

توحید خداوندی اور معرفتِ خداوندی کا بیان:

شیخ ایک ایسے صوفی اور مرشد ہیں، جنہوں نے اپنے مریدین کو توحید و معرفتِ خداوندی کا سبق موثر انداز میں پڑھایا اور سکھایا ہے۔ انفس وآفاق میں قدرت خداوندی کے مظاہر کا بیان قرآن حکیم کی مختلف آیات میں موجود ہے۔ اس مضمون پر مشتمل آیات کی وضاحت میں شرح وبسط سے کام لیا ہے۔ اور اس سے اللہ تعالٰی کی قدرت وحاکمیت کو قارئین کے دلوں میں راسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ[13] کے تحت لکھا ہے: "یہ کونسی ہستی ہے، جس کا اقتدار واختیار ہر ذرے پر ہر وقت موجود ہے اور ہر وقت کا ایک ایک لمحہ جس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس کے بارے میں صرف وہ فکر کرتے ہیں جو صاحب لُبّ ہیں۔۔۔" [14]

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بیان کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ اللہ کی عبادت کرنے اور اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرنے کا پیغام بار بار دیا۔ مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے:

> دراصل اسلام نام اسی توحید باری کا ہے۔ اس کو ماننے کا ہے اس کے کمالات پر یقین رکھنے کا ہے اور دنیا میں امن وسکون کو پانے کا واحد راستہ بھی یہی ہے کہ کوئی بھی انقلاب انسان پر مایوسی طاری نہ کر سکے بلکہ ہر انقلاب میں اللہ کی عظمت کا نشان نظر آئے اور کبھی غیر اللہ پہ اُمید ہی قائم نہ ہو کہ پھر نا اُمیدی کا مقابلہ کرنا پڑے۔[15]

توحید کے بیان کے ساتھ ساتھ شرک کی مذمت بیان کرنے میں بھی کمی نہیں کی ہے۔ انہوں نے شرک کو دو قسموں، شرکِ جلی اور شرکِ خفی میں تقسیم کیا۔ مفسّر کی نظر میں شرکِ جلی سے مراد یہ ہے کہ:

> مشرکینِ عرب کی طرح بتوں کی پوجا یا یہود و نصاریٰ کی طرح انبیاء کو اللہ کا بیٹا قرار دینا یا جہلاء کی طرح اللہ کے اوصاف میں بزرگوں، اولیاء اور انبیاء کو شریک کرنا۔ یہ جان کر کہ نفع پہنچانا یا نقصان سے بچانا، یہ اُن کا کام ہے لہٰذا ان کے نام کی منّتیں ماننا اور نیازیں دینا یا انہیں غائبانہ ہر حال سے واقف سمجھنا وغیرہ، یہ بہت واضح شرک ہے۔[16]

اس وعظ و اصلاح کے ضمن میں، مصنف نے فرقہ ورانہ رنگ سے بچنے کی بھی کوشش کی ہے۔ وسیلہ یا توسّل کا مسئلہ، اہلِ سنّت کے فرقوں کے مابین ہنگامہ خیز رہا ہے۔ مفسّر نے آیت: ایاك نعبدوایاك نستعین کے ذیل میں اپنی معتدل رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> حقیقی وسیلہ یا توسّل بھی یہی ہے کہ خود کو اطاعت و اتباع کا قلادہ گردن میں ڈال کر نیکوں کے گروہ تک پہنچائے، شاید اُن کے ساتھ، اُن کے طفیل گوہرِ مقصود کو پالے، مگر وائے محرومی کہ بعض سرے سے انکار کئے بیٹھے ہیں اور بعض نے اُن کے نام پر بدعات کی طرح ڈال دی ہے۔[17]

علمِ غیب کے ضمن میں مصنف کی رائے یہ ہے کہ نبی ﷺ کو غیب کی جن خبروں سے آگاہی دی جاتی ہے، اسے اصطلاحِ قرآن میں اطّلاع عن الغیب کہا جائے گا، نہ کہ مطلق علمِ غیب۔ اس لیے کہ وہ اطلاع پانے سے حاصل ہوا۔ [18]

اس طرح رواجی اسلام اور بدعات مروّجہ پر کہیں کہیں ہلکے پھلکے انداز میں تنقید کی ہے۔ [19]، ان مقامات پر ان کا اسلوب عالمانہ کے بجائے واعظانہ ہوتا ہے۔

آپ ایک ایسے صوفی تھے جنہوں نے میدان کارزار میں اعلائے کلمۃ اللہ کی کاوشوں یعنی جہاد کو شریعت کا خاص طور پر اہم حکم قرار دیا اور دین کی حفاظت و دفاع اور سلطنتِ اسلامیہ کے استحکام و توسیع کے لیے ایک اہم ذریعہ قرار دیا۔ متعدد مقامات پر جہاد کی اہمیت و شان کو خصوصی طور پر بیان کیا۔[20]

شریعت کی فوقیت کا بیان:

اس تفسیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ایک سلسلہ کے شیخ ہونے اور صوفیانہ نقطہ نظر سے قرآن مجید کی تشریح کرنے کے باوجود تصوف کی حمایت میں شریعت کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ شریعت کو تصوف کی اصل قرار دیتے ہوئے اسے مافوق رکھا گیا ہے۔ مفسر نے شریعت و سنت کے اتباع کے بغیر تصوف کے رنگ کو نقلی رنگ قرار دیا ہے۔ [21] لکھتے ہیں:

> خدا ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور عقائد بھی وہ نصیب کرے جن کی دعوت حضور ﷺ نے دی، اعمال بھی وہی جو سنت کے مطابق ہوں، ایسے ہی لوگ عنایاتِ باری کے سزاوار ہوں گے، نہ انہیں آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ گذشتہ کا افسوس لا خوف علیھم ولاھم یحزنون یہی خلاصہ ہے سارے تصوف کا، اللہ اللہ کی تکرار کرنے سے دل میں وہ صلاحیت آتی ہے کہ آدمی عقائدِ اسلامیہ کو دل سے قبول کرتا ہے اور وجود میں ہمت پیدا ہوتی ہے کہ اتباع سنت کے لیے محنت کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص خلاف سنت کرتا ہو اور اسے تصوف کا نام دے تو اس کی مثال تو یہ ہے "بر عکس نہند نام زنگی کافور" [22]

انہوں نے نبی ﷺ کی سنت سے محبت اور آپ کی اطاعت کو آپ ﷺ سے محبت کا لازمی اور بدیہی تقاضا قرار دیا ہے۔اس کے بغیر دعویٰ محبت کو سخت غلطی قرار دیا ہے۔اُن کے نزدیک صرف محبت کی جائے اور اطاعت ترک کر دی جائے، بالکل صحیح نہیں۔ یہ سخت غلطی ہے۔ محبت کا تقاضا بھی محبوب کی اطاعت ہے۔ [23]

مفسر کی نظر میں صوفی کے تمام مکاشفات اور مشاہدات کی سند قول رسول ﷺ پر مبنی ہے اور جو بات بھی اس سے ٹکرائے گی، پاش پاش ہو جائے گی۔ [24]

سنت سے محبت کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ انہوں نے بدعت کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور عقائد واعمال میں بدعات کی حوصلہ شکنی اور اسے جعلی تصوف گردانا ہے۔ لکھتے ہیں:

> اگر کوئی شخص طریقِ سنت کو چھوڑ کر اپنے رسوم ورواج کو اپناتا ہے تو دراصل اسی خبثِ باطنی کا پتہ دیتا ہے کہ دل میں وہ سمجھتا ہے کہ رسول ﷺ نے جو طریقہ فرمایا ہے، میں اس سے بہتر جانتا ہوں چاہیے کہ اس مرض کا کھوج لگایا جائے اور اسے دل سے دُور کیا جائے۔ کسی صاحبِ دل کو تلاش کریں اور دل کا علاج کرائیں۔ [25]

مفسر نے دین میں بدعات ورسومات کے جاری کرنے کو اللہ پر افتراء قرار دیتے ہوئے، اسے مُوجب عذاب اور رسول اللہ ﷺ کی شفقت سے محرومی کا مُوجب قرار دیا ہے۔ [26]

قرآن حکیم کی متعدد آیات (خصوصاً وہ آیات جو عقائد واعمال کی اصلاح کے مضامین پر مشتمل ہیں) کی تفسیر میں عقائد واعمال کی خرابیوں کو واضح کیا ہے اور اُن کی مذمت بیان کی ہے۔اس ضمن میں اُن کا اسلوب داعیانہ اور مصلحانہ ہے۔ دردِ دل رکھنے والے ایک داعی و مصلح کی طرح وہ معاشرے میں مروّج غیر اسلامی رسوم ورواج اور نظریات کو شرعی حدود وقیود کا پابند بنانا چاہتے ہیں۔ایک صوفی ہونے کی حیثیت سے اُن کا یہ جذبہ اور کاوش قابلِ ستائش ہے۔

سورۂ فاتحہ کی آیت کریمہ: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کھلی مخالفت اور اُن کا نہ صرف منکر بلکہ شدید مخالف ہونے کی وجہ سے انہوں نے زورِ قوت سے اپنی ایجاد کردہ خرافات کو رائج کرنا چاہا اور ساتھ ہی ساتھ ساری قوت، انبیاء کی تعلیم کو مٹانے پر لگا

دی۔آج کا ایسا مفکر جو تعلیماتِ دینی کو عبث بتاتا ہے۔حج کو فضول سفر اور قربانی کو مال کا ضیاع جانتا ہے اور اس کے بدلے آج کی غیر مہذّب تہذیب کا احیاء چاہتا ہے، (وہ طبقہ) اپنے کردار میں شدید (بنیاد پرست) ہے اور دوسری طرف وہ جہلاء ہیں، جو دعویٰ تو محبت کا کرتے ہیں مگر اظہارِ محبت کا ڈھنگ خود تجویز کرتے ہیں، جو سراسر خلافِ سنت اور بدعات کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ بے چارے یہ نہیں جان سکے کہ اس بارگاہ میں عشق و محبت بھی حدود و قیود نہیں توڑ سکتے اور اظہار محبت کا طریقہ صرف اتباع سنت ہے اور بس۔ [27]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ [28] کی وضاحت میں رقم طراز ہیں۔

۔۔۔۔۔اسی طرح ہر فعل جو سنت کے مطابق ہو، نور پیدا کرتا ہے اور ماحول میں نورانیت اور نیکی کا سبب بنتا ہے مگر خلافِ سنت فعل سے ظلمت پیدا ہو کر ماحول اور معاشرے میں تباہی پھیلانے کا سبب بنتی ہے اور یہ فساد فی الارض ہے جسے جہلا اپنی طرف سے اصلاح کا نام دے کر کرتے ہیں مگر نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ [29]

سجدہ تعظیمی کو شریعتِ محمدیہ ﷺ کے اتباع میں جائز قرار نہیں دیا ہے۔ [30]

مسائلِ سُلوک:

صوفی عموماً اس بات کا حریص ہوتا ہے کہ اس کے نظریات و معتقدات عوام میں مقبول ہوں، اس لیے وہ مقدور بھر اس بات کے لیے کوشاں رہتا ہے کہ قرآن سے اس کے افکار کا اثبات ہو سکے چنانچہ وہ قرآنی آیات کو بتکلف وہ معانی پہنانے کی سعی کرتا ہے، جو خلافِ ظاہر اور عربی لُغت کے منافی ہوتے ہیں۔

تاہم مفسرِ موصوف نے اس فطری خواہش کے باوجود قرآن حکیم کی ظاہری تفسیر کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔انہوں نے مسائلِ سلوک و تصوّف کا، دورانِ تفسیر ذکر کیا ہے لیکن قرآن کو اس کے اہداف و مقاصد سے نکال کر اپنے نصب العین کے تابع کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔اگرچہ نظری صوفیا کی طرح چند علمی مقدمات ان پر محمول کرنے کی کوشش کی ہے۔تاہم وہ

متعین حدود سے باہر نہیں نکلے ہیں۔اس طرح مفسر نے فلسفیانہ تصوف کی خدمت بھی انجام دی ہےاور قرآن کا پیغام بھی اپنے قارئین تک پہنچایا ہے۔

دورانِ تفسیر مسائلِ سلوک وتصوف کے بیان کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ [31] کے ذیل میں آدم وحوا علیہما السلام کے زمین پر اُترنے کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

> یہاں سے سلوک کا مسئلہ سمجھ میں آتا ہے کہ ولی کا کشف والہام اگرچہ دوسروں پر حجت نہیں مگر وہ خود اگر اس پر عمل نہ کرے گا تو دو نقصان ضرور ہوں گے ،اگرچہ ایمان محفوظ رہے گا۔پہلا: مقام میں تنزّل، دوسرا دنیاوی مصائب، یہ یاد رہے کہ کشف والہام حدودِ شرعی سے متصادم نہ ہو۔ورنہ خود اُس کا وجود ہی ثابت نہ ہوگا۔[32]

مفسر نے صحبتِ شیخ کی اہمیت کئی آیات کی تشریح کرتے ہوئے بتائی ہے۔

آیت: وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ [33] کی وضاحت میں حصول نجات کے لیے شیخ کی صحبت کو ضروری قرار دیا ہے کہ یہ دین کی راہ میں آنے والی رکاوٹ کو ختم کر کے راستہ بنا دیتی ہے اور تعاقب میں آنے والے کبر وناشکری کو غرقِ دریا کر دیتی ہے۔[34]

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ [35] سے قلّتِ طعام، قلّتِ کلام اور قلّتِ اخلاط مع الانام کی تعلیم اخذ کی ہے اور اسے روح کی تقویت اور نفس کی کمزوری کا نسخہ قرار دیا۔[36]

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ [37]

کے ذیل میں لکھا کہ تصوف میں شیخ کا منصب بھی یہی ہوتا ہے کہ گناہ سے بے رغبتی دلائے اور توبہ کا طریقہ دل میں بٹھائے۔جو شیخ ایسا نہ کرے اس کی صحبت میں رہنا وقت کا ضیاع اور گمراہی کا موجب ہے۔[38]

واقعہ ذبحِ بقرہ میں بنی اسرائیل کے کثرتِ سوالات کا ذکر ہے۔ مفسر نے اس سے مریدین کے لیے یہ سبق مستنبط کیا کہ شیخ کے تعلیم کردہ اوراد، اور وظائف میں مزید سوال کر کے اپنے لیے مشقت پیدا نہ کرے۔[39]

بعض اصطلاحات کی تعریف دیگر صوفیا سے مختلف بھی بیان ہوئی ہے۔ جیسے نسبت کی اصطلاح مصنف کی نظر میں احسان کے مترادف ہے۔"یعنی ایسا اطمینان حاصل ہو اور دِل کا ایسا ربط

نصیب ہو جائے، یا کم از کم یہ سوچ لے کہ اللہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ کم تر درجہ ہے۔اس سے کم کی گنجائش نہیں۔اسی کو اصطلاح صوفیہ میں نسبت کہا گیا۔[40]

سید محمد ذوقی" نسبت" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" وہ ملکہ راسخہ محمودہ جو سالک، اکتساب سے حاصل کرتا ہے اور جو ملکہ کہ اُس کی روح کو جمیع جہات سے احاطہ کرلیتا ہے اور اس کی صفتِ لازمی بن جاتا ہے اور اُس کا مرنا جینا اُسی پر واقع ہوتا ہے۔ [41] جبکہ "احسان" کی تعریف اسی مصنف نے حدیث کے مطابق کی ہے کہ "احسان وہ مقام ہے جس میں بندہ خدا کے اسماء و صفات کے آثار کو دیکھتا ہے اور اپنی عبادت میں یہ تصور کرتا ہے میں خدا کے سامنے ہوں۔" [42]

مفسرِ موصوف نے دونوں اصطلاحات کو ایک ہی بنادیا ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا[43]

(جب ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزما یا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنادوں گا) کے تحت لکھا ہے کہ ولایت کسبی ہے۔ بعض اوقات وہبی بھی نصیب ہوتی ہے اور اس کی ترقی کے لیے مجاہدات ضروری ہیں۔ خواہ وہ اضطراری ہوں یا اختیاری نیز یہ کہ اس مسلسل ترقی کا نام ہی سلوک ہے۔اور یہ کہنا کہ فلاں حضرت نے سلوک مکمل کرلیا، بہت مشکل ہے کہ یہ وہ راہ ہے جس کی انتہا، ابدالآباد تک نہ آئے گی۔ [44]

آیتِ کریمہ : قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[45] (آپ کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے ف اوہ جسے چاہے سید ھی راہ کی ہدایت کر دے) کی تفسیر میں عالمِ خلق اور عالمِ امر پر بحث کی ہے۔ مفسر کے مطابق نویں عرش کی چھت عالمِ خلق کی انتہا ہے۔اس کے آگے عالمِ امر ہے۔ عالمِ امر میں پہنچنا ہی بہت کم نصیب ہے۔اگر کوئی چاہے تو متحدہ ہندوستان کے اولیائے کرام کو گن لے۔ بمشکل آٹھ دس حضرات کی رسائی عالم امر میں ہے، جیسے شہباز قلندر، بو علی قلندر، خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت علی ہجویری رحمہم اللہ۔ [46]

قرآن حکم کی وہ آیات جن میں یزکیھم اور یز کیکم کے الفاظ آئے ہیں۔ وہاں حصولِ تزکیہ پر بھی بحث کی ہے۔ [47]

مجذوب کی تعریف بتاتے ہوئے کہا کہ جو بعد از بلوغت کسی شیخ کامل سے اللہ کا نور حاصل کرے اور پھر کسی درجہ میں قوت برداشت جواب دے جائے تو عقل و خرد بھی کھو بیٹھے، ورنہ پاگل تو ہو سکتا ہے۔ مجذوب سالک نہیں۔

نیز مصنف کی نظر میں مجذوب ہونا نقص کی ولیل ہے، کمال کی نہیں، کہ اگر یہ کمال ہوتا تو انبیاء مجذوب ہوتے مگر کوئی نبی مجذوب نہیں ہوا۔[48]

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ[49] (اے نبی! اس وقت کو بھی یاد کرو جب صبح ہی صبح آپ اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو مید ان جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر باقاعدہ (ا) بٹھارہے تھے اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے)

اس آیت کے تحت بھی مشاورت اور منشائے شیخ کے موضوع پر بات کی اور کہا کہ (مرید) شیخ کو اس کی منشاء کے خلاف رائے نہ دے یعنی اگر دونوں طرف جواز ہو تو اس طرف کو اختیار کرلے، جو شیخ کو منظور ہو ورنہ دنیاوی نقصان ہوگا۔[50]

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ[51] (اور ہم اس طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں سے ہوجائیں) کے ذیل میں "کشف" کا اثبات کیا ہے۔ مفسّر کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ لکھتے ہیں۔

> مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، ایک چٹان پر کھڑے تھے، جب زمینوں اور آسمانوں کی سب کائنات اللہ کریم نے اُن کے سامنے کھول دی کہ ایک ایک چیز، ایک ایک ذرہ، ایک ایک پتہ کس طرح سے قدرتِ باری کے تحت اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ اشیاء میں اثر اور اعمال کے نتائج کیسے مرتب ہوتے ہیں۔ فرشتے کیا کردار ادا کرتے ہیں، سورج چاند، ستارے اور ہوائیں کیا کر رہی ہیں۔ اعمال کیسے لکھے جارہے ہیں، لوگ ان کے نتیجے میں کہاں کہاں اور کن کن ٹھکانوں پر پہنچیں گے، حتیٰ کہ جنت میں اپنی منزل بھی انہوں نے ملاحظہ فرمائی اور اسی سارے مشاہدے اور علم کو اصطلاحاً کشف کہا جاتا ہے۔ کشف والہام یاالقاء وجدان، یہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علم حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام

> کو ہمیشہ اسی ذریعہ سے تعلیم فرمایا جاتا ہے لہذا یہ حصولِ علم کے تمام دوسرے ذرائع سے اعلیٰ وافضل ذریعہ ہے اور یہی نعمت ولی اللہ کو نبی کے اتباع کے طفیل نصیب ہوتی ہے۔[52]

اسی طرح ایک مقام پر "رابطہ" کی صوفیانہ تعریف بھی کی ہے کہ وہ حالت کہ دِل میں ذکرالہیٰ سے جو نور پیدا ہو، وہ عرشِ عظیم تک رسائی حاصل کرلے۔ یہ ذکرِ دوام کا نور ہوتا ہے اور ایک ایسا مقام بھی آتا ہے کہ قلب اللہ کہے تو روشنی عرشِ عظیم تک جا پہنچتی ہے۔[53]

مفسر کے نزدیک گدی نشینی محض خاندانی اور نفسی نہیں بلکہ اس کا انحصار ضروری کمالات پر ہے۔[54] مولانا اشرف علی تھانوی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ایسے مفسر صوفیاء کے اقوال بطور دلیل نقل کیے ہیں۔

اذکار، اور اوراد کی تعلیم:

تفسیر کی خصوصیات میں قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ شیخ شریعت کے متبع اور تصوف کو کتاب وسنت کے تابع رکھنے والے بزرگ ہیں۔ اپنی تفسیر میں اوراد و وظائف کی تعلیم بھی دی ہے لیکن اس میں قرآن وسنت کو ہی ماخذ و مصدر قرار دیا ہے۔ جیسے لکھتے ہیں:

> اور راد و وظائف بھی وہی مفید ہوں گے جو اللہ کی طرف سے ہوں، اور اللہ کے نبی نے بتائے ہوں۔ شیخ کے بتانے کی برکت کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر شیخ کا کام قرآن وسنت سے ضرورت کے مطابق بتانا ہے، خود وضع کرنا نہیں۔[55]

مراقبے اور چلّے کی اصل بھی قرآن سے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰي ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً[56] (ہم نے موسیٰؑ سے تیس رات کی میعار مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اُسے پورا (چلّہ) کر دیا).

> اس آیت کے تحت روشنیاں گل کر کے، اور زبان بند کر کے متوجہ الی اللہ ہونے کی سعی کرنا، نیز چالیس روز خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے کے قلب وروح پر مرتب ہونے والے اثرات ونتائج لکھے ہیں۔[57]

ذکر کی فضیلت:

یادِ الٰہی میں جمیع غیر اللہ کو دل سے فراموش کر کے حضورِ قلب کے ساتھ قرب و معیتِ حق تعالیٰ کا انکشاف حاصل رکھنے کی کوشش کو ذکر کہتے ہیں۔ چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توسّل سے یادِ حق ہو، خواہ اسم ہو یا رسم، فعل ہو یا قول، کلمہ ہو یا نماز، یا تلاوتِ قرآن ہو یا درود شریف یا ادعیہ، یا کیفیات، یا کوئی اور چیز جس سے مطلوب کی یاد ہو اور طالب و مطلوب میں رابطہ پیدا ہو یا بڑھے، اصطلاح تصوف میں ذکر کے نام سے موسوم ہے۔ [58]

مفسر نے قرآن حکیم کی متعدد آیات کی تفسیر میں ذکر، خصوصاً قلبی ذکر کی فضیلت بیان کی ہے اور سالک کو ذکر میں مشغول و منہمک رہنے کی ترغیب دی ہے۔

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا [59] کی وضاحت میں لکھا ہے:

۔۔۔لہٰذا اس تباہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ کریم کے بہت اچھے اور حسین نام ہیں۔ اسے ناموں سے پکارو۔ یہاں دُعا سے دو باتیں مستفاد ہیں، اذکار و تسبیحات کہ ان ہی سے دل کو روشنی اور جِلا نصیب ہوتی ہے اور وہ تفقہ یعنی حق کو سمجھنے کے قابل ہوتا ہے اور دوسری عبادات اور ضروریات کی تکمیل کے لیے دعائیں۔ اسمائے حسنی وہ اسماء ہیں، جو قرآن اور سنت میں ثابت ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی نام اللہ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ [60]

ذکرِ الٰہی کی تاکید، طریقہ ذکر، ذکر خفی، ذکر جہر، نیز یہ کہ ذکر کتنی دیر کیا جائے اور کس وقت کیا جائے، وغیرھم موضوعات پر تفصیلات دی ہیں۔

مفسّرِ موصوف جس سلسلہ سے منسلک ہیں، ان کا طریق، قلبی ذکر کا ہے۔ اس لیے اُن کی نظر میں دراصل قلبی ذکر ہی خالص عمل کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور ذاکرین میں دوسروں کی نسبت کام کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ مصنف اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے قلبی ذکر کو چھوڑ دیا ہے۔ اور نام نہاد صوفیوں اور جعلی پیروں کے لیے وقت اور قوت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ [61]

مصنف کی نظر میں حقیقی ذکر وہی ہے جو دل کا ہو۔ دل کا ذکر، صاحبِ دل کی مجلس وصحبت سے انعکاسی والقائی طور پر نصیب ہو گا۔ زبان سے ذکر بھی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ اداکاری بھی کر جاتی ہے۔ اس لیے دل کا ذکر اصلی ذکر ہے۔ [62]

اجتماعی ذکر کی حکمت وفضیلت بیان کرتے ہوئے کہا: "مشائخ اجتماعی ذکر کی تلقین فرماتے ہیں کہ ایک شخص پر ایک رنگ کی رحمت ہو گی تو دوسرے پر دوسری طرح کے انوار، لہٰذا اگر کافی لوگ ہوئے تو انوار بھی رنگارنگ ہوں گے۔ گویا ایک گُلدستہ بن رہا ہے۔" [63]

مصنف چوں کہ براہِ راست تصوف سے منسلک ہیں، اس لیے اس کی اہمیت اور متعلقہ مسائل کی طرف جا بجا اشارات کیے ہیں۔

آیتِ کریمہ: وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [64] کے حوالے سے مصنف کا کہنا ہے کہ اس میں تصوف کے لیے بھی اشارہ ملتا ہے کہ جس قدر بھی چیزیں اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں، ان سب میں تصوف قیمتی دولت ہے۔ اسے چھپا کر نہ رکھے بلکہ اللہ کی مخلوق تک پہنچائے۔ [65]

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ [66] (جب تم مومنوں سے یہ کہ (کر ان کے دل بڑھا) رہے تھے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہیں مدد دے)

اس آیت کی صوفیانہ تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> یہ (فرشتوں کا نصرت کو کم یا زیادہ مقدار میں آنا) مختلف مدارج اور کیفیات ہیں فنا فی اللہ کی، کہ جس قدر قرب بڑھتا جائے، برکات میں زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے۔ فرشتے لڑائی کے مکلّف نہ تھے بلکہ یہ کام مسلمانوں کو انجام دینا تھا، مگر ان کے قلوب اس قدر مستغرق تھے، جمالِ باری میں کہ ان کا کام ملائکہ کے سپرد ہوا اور وہ بھی خاص درجہ کے فرشتے مقرر ہوئے۔ اب صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان اگر ذاتِ باری سے دُور ہوتا چلا جائے تو دِل انوارات سے خالی ہو کر شیطان کی قرار گاہ بن جاتا ہے پھر جوں جوں دور ہو، شیطان کو کُھل کھیلنے کا موقع ملتا ہے کہ ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن قربِ الٰہی کی صورت میں ابتداء ہی نورانیت کے ظہور سے ہوتی ہے اور جوں جوں ترقی نصیب ہو، نورانیت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ [67]

وحی، الہام، القاء، کشف، وغیرہ اصطلاحات کی صوفیانہ تشریح بھی کی ہے۔انہوں نے تصوف کے لیے صاحبِ علم ہونا بھی ضروری قرار دیا بلکہ علم و عمل کو ولایت و مشیخیت کی شرط اور جاہل کی بیعت کو حرام قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

> عالم ارشاداتِ نبوت کو لوگوں تک پہنچاتا ہے تو پیر ارشادات کے ساتھ انوار وبرکات کا حامل بھی ہوتا ہے اور یہ سب کچھ تب ہی ہوگا جب وہ خود اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا اطاعت گزار ہوگا۔ اگر وہ اپنی زندگی سنت کے خلاف رکھتا ہے، تو اس کے پاس برکات کہاں اور دوسروں کو سوا گمراہی کے اس سے کیا حاصل۔[68]

انہوں نے تصوف کو بدعات سے پاک کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔اس کا اظہار اُن کی تفسیر کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ کہتے ہیں:

۱۔ صوفی کا دل شرک وبدعت اور کبر ونخوت کے بتوں سے پاک ہو۔

۲۔ کوئی بڑے سے بڑا زاہد اپنی طرف سے عبادت کا طریقہ ایجاد کرنے کا مجاز نہیں۔

۳۔بزرگوں کی عقیدت میں کوئی بھی عمل، جو خلافِ سنت ہو۔ قابلِ قبول نہیں۔[69]

انہوں نے اپنی تفسیر کے ذریعے نام نہاد پیروں اور گدی نشینوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے۔[70]

انہوں نے دیدار باری تعالی پر بھی محتاط موقف اپنایا ہے۔[71]

سنت و سیرتِ نبوی ﷺ سے استناد:

مفسر نے سنت وسیرت نبوی ﷺ کو تفسیر کا اہم ترین مصدر قرار دیا ہے۔اُن کی نظر میں صرف کتاب نافع نہیں، جب تک دِل پاک ہو کر اس کی تعلیمات کو قبول نہ کرنے لگ جائیں، جو صحبتِ رسول ﷺ کا حاصل ہے اور جب یہ استعداد حاصل ہو، تب بھی کتاب اللہ کی شرح وہی معتبر ہوگی جو نبی اور رسول سے منقول ہو۔[72]

اُن کی تفسیر میں سیرت النبی ﷺ کے حالات واحوال اور صحابہؓ کی زندگی کے واقعات کی طرف جابجا اشارات موجود ہیں۔ نبی ﷺ کے خصائص اور آپ کے اخلاق فاضلہ کا ذکر کیا ہے۔ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [73] کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا:

> ۔۔۔۔۔ مگر اس توحید کی نشان دہی کس نے کی۔ انسان کو اللہ کی عظمت سے کس نے روشناس کرایا۔ وہ کون ہے جس نے انسانوں کو غیر اللہ کی پرستش سے نجات دلائی اور ان کی پیشانیوں کو خدائے واحد کے نور سے منور کر دیا اور اس کے پاس کون سا نسخہ کیمیا تھا جس نے مسِ خام کو کُندن بنا دیا۔ وہ ہستی ہے محمد رسول اللہ ﷺ اور نسخہ کیمیا ہے قرآن مجید [74].

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ [75] کے تحت آپ کی سیرت، آپ کی صورت، آپ کے معجزات، آپ کی تعلیمات اور آپ کی پیشنگوئیوں، ان سب کو اہل یقین کے لیے مشعل راہ قرار دیا ہے۔ نیز لکھا ہے:

> سبحان اللہ! کیا کرم ہے، اللہ کا رسول ﷺ کافر کی ذات سے متنفر ہونے کی بجائے اُسے مبتلائے کفر دیکھ کر اُس کا دُکھ محسوس فرماتا ہے کہ آخر اللہ کا بندہ تو ہے، بے چارہ بھٹک گیا ہے اور ہمیشہ دوزخ میں جلے گا، تو مومنین کے ساتھ کس قدر شفیق ہوگا۔ [76]

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ [77] کے تحت حصول تزکیہ کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھا ہے:

> اب تزکیہ کس طرح حاصل ہوتا ہے، صرف نگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے اور صحبتِ نبوی ﷺ سے خواہ وہ بالکل تھوڑی دیر کے لیے ہو کر صفائی باطن سے ولایت خاصہ نصیب ہوتی ہے اور اگر سارے جہاں کے ولی جمع کئے جائیں تو صحابی نہیں بن سکتا بلکہ اس کی گردِ پا پہ سب نثار ہیں اور نبی کریم کی صحبت کا کمال یہ ہے کہ ایک دن میں درجہ صحابیت پر فائز کر دیتی ہے۔ [78]

صفات نبوت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ منصبِ رسالت کی حقیقت اور اس کی دیگر لازم صفات کا بیان بھی موجود ہے جیسے نبی ﷺ کی بشریت کو باحسن انداز بیان کیا ہے۔ اور اُن لوگوں کی غلط فہمی کو واضح کیا ہے جو نبی ﷺ کی بشریت کے قائل نہیں ہیں۔ مصنف کی نظر میں ایسا کہنے والے خود اپنی ذات کو یا ارد گرد کے افراد کو معیار انسانیت سمجھ لیتے ہیں، جو درست نہیں۔ نبی تو نہ صرف انسان ہوتا ہے بلکہ معیارِ انسانیت ہوتا ہے۔ [79]

ختم نبوت پر بھی کئی مقامات پر موثر گفتگو کی ہے۔اور عقائدِ اسلامی کی تائید میں دلائل ذکر کیے ہیں۔ الغرض مصنف کا، نبی ﷺ کی سیرت واحادیث کا مطالعہ کافی وسیع ہے، جس کو جابجا تفسیر میں کام میں لائے ہیں۔آیات کی وضاحت میں اکثر مقامات پر احادیث بھی ذکر کی ہیں، تاہم یہ بغیر حوالے کے ہیں۔ کہیں کہیں موضوع روایات اور اسرائیلیات بھی در آئی ہیں۔ [80]

عظمتِ صحابہؓ کا بیان:

سنت واطاعت رسول کی اہمیت اور خصائصِ نبوت کے بیان کے ساتھ ساتھ تفسیر میں عظمت صحابہؓ کا پہلو بھی بہت نمایاں ہے۔ مصنف کو آیات کی تفسیر کے دوران جہاں موقع ملا ہے صحابہؓ کے فضائل اور اُن کی خصوصی اہمیت کا تذکرہ کیا ہے۔

مثلاً آیت : يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ [81] میں والذین امنوا کا مصداقِ اوّل صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو قرار دیتے ہوئے نتیجہ نکالا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی محبت یاان کے ساتھ خلوص ہی ایمان کی دلیل ہے۔ورنہ کلمہ پڑھنے کے باوجود منافق ہی رہے گا اور اگر ظاہراً عظمتِ صابہؓ کا منکر ہوا تو کافر ہو جائے گا۔ مصنف کی نظر میں جس قدر مذاہب باطلہ ،اسلام کے نام پر وجود میں آئے ،اُن سب نے صحابہ کرامؓ کو ہدفِ تنقید بنایا۔ان میں خواہ منکرینِ حدیث ہوں یا کسی نئی نبوت کے دعوے دار۔ سب کی مجبوری یہ رہی ہے کہ قرآن کریم کو اپنی پسند کے معانی پہنا کر اپنی بات بنانے کی کوشش کی جائے،اور یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک صحابہ کرامؓ کو اُن کے مقام سے گرانہ دیا جائے کہ ان کی زندگی ہی قرآن کی تفسیر ہے۔انہوں نے قرآن کو نبی ﷺ سے سیکھا اور آپ کے سامنے اس پر عمل کیا۔ صحابہ کرام ؓ سے بغض وعناد رکھنے والے فرِق باطلہ ، مصنف کی نظر میں کفر ونفاق کے جامع ہیں، کہ بعض اعمال وعقائد ،کافرانہ رکھتے ہیں، اور بعض منافقانہ۔ [82]

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ [83] کی وضاحت میں مفسر نے قرآنِ حکیم کی صداقت وحقانیت اور لاریب ہونے کے اثبات کے لیے عدالتِ صحابہؓ کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ صحابہؓ نے ہی رسول اللہ سے براہ راست کلام باری کو سُنا، سمجھا اور ساری خدائی تک پہنچایا۔اگر خدانخواستہ یہ واسطہ اور ذریعہ ہی مجروح قرار پائے تو پھر قرآن بھی "لاریب فیہ" ثابت نہ ہو سکے گا۔بلکہ دین کی

ساری عمارت مشکوک قرار پائے گی۔ بایں وجہ قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کے احوال وآثار بیان کیے گئے ہیں اور ان کی مدح کی گئی ہے۔

مفسر نے ان آیات کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں صحابہؓ کے ایمان کو مثالی ایمان، ان کے قلوب کو مثالی قلوب، ان کی صداقت کو مثالی صداقت اور ان کی زندگی کو قابل اتباع اور واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ بلکہ کتبِ سابقہ یعنی تورات وانجیل میں ان کے اوصاف ارشاد فرمادیئے گئے کہ یہ میری مثالی مخلوق ہوگی اور انبیاء کے بعد ان کی مثل نہ چشمِ فلک ان سے پہلے پائے گی نہ بعد میں دیکھ سکے گی۔ [84]

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ[85] کی تفسیر میں ایک حدیث درج کی، جس میں یہ ذکر ہے کہ میرے دو وزیر آسمانوں میں اور دو زمین میں ہیں۔ آسمانوں میں جبرائیل ومیکائیل اور زمین پر ابو بکر وعمرؓ ہیں۔۔۔الی آخر الحدیث۔ مصنف نے اس سے یہ بات مستنبط کی ہے کہ گویا شیخینؓ کا یا اُن میں سے کسی ایک کا دشمن بھی ایسی وعید کا مستحق ہوگا۔ [86]

آیت: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ[87] کی تفسیر میں مفسر نے صحابہ ؓ کے ایمان کو حق پرستی وایمان کا معیار قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> اگرچہ اس وقت کے مخاطب تو مقامی لوگ تھے مگر قرآن اور اس کی تعلیمات ہمیشہ کے لیے ہیں تو ہمیشہ کے لیے معیارِ حق بھی حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ہوں گے اور ان کے خلاف کرنے والا محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کو چھوڑنے والا ہوگا۔ اللہ کا علم کامل ہے۔ وہ خود خالق ہے۔ اس نے ان کو ہی معیارِ صداقت وحق پرستی ودیعت فرمایا اور انہیں ہمیشہ کے لیے حق کی کسوٹی قرار دیا اور انہیں رفاقتِ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پسند فرمایا۔ [88]

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ[89] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ کے اصل مخاطب صحابہ کرامؓ تھے۔ وہ جملہ اُمت میں سب سے اعلیٰ مقامات کے حامل ہیں۔ مصنف نے تفسیرِ مظہری کے حوالے سے احادیث درج کی ہیں کہ میرے اصحابؓ کو گالی نہ دو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی اُحد کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کرے گا تو اُن کے سیر بھر بلکہ آدھے سیر (خرچ کرنے کے درجہ) کو بھی نہیں پہنچے گا۔ نیز ارشادِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ میرے

صحابہؓ میں سے جو کوئی کسی زمین میں مرے گا، قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے لیے قائد اور نورِ راہ بنا کر اٹھایا جائے گا۔[90]

سورۃالاعراف کی آیت: فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ [91] ((رحمت کو) اُن لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں) کی تشریح میں ذکر کردہ اوصاف کا مصداق صحابہ کرامؓ کو قرار دیا، کہ انہوں نے نبی اُمّی ﷺ کا مبارک زمانہ پایا اور آپ کی اطاعت کا شرف حاصل کیا۔[92]

متکلمانہ بحثیں:

تفسیر" اسرار التنزیل" میں گو واعظانہ و صوفیانہ اسلوبِ بیان غالب ہے، تاہم بعض مقامات پر متکلمانہ بحث و گفتگو بھی کی گئی ہے۔ خاص طور پر اہل تشیّع کے عقائد و اعمال پر کڑی تنقید کی ہے اور اُن کے عقائد و اعمال کو قرآن و سنت کی تعلیمات اور تعاملِ صحابہؓ کے بر عکس قرار دیا ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا[93]

(کہدو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پا ؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کردے)

اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ قرآن حکیم نے "شیعہ" لفظ کو نو (9) جگہ استعمال کیا اور اسے ہر مقام پر ان گروہوں کے حق میں استعمال فرمایا، جو فسادی، اہلِ نار، گمراہ اور برائی پھیلانے والے ہیں۔ اس جگہ بھی بطور عذاب، شیعہ یعنی گروہوں میں بانٹ دینے کی سزا ارشاد فرمائی۔[94]

انہوں نے اہلِ تشیّع کے بارے میں یہ رائے دی کہ انہوں نے اُصولِ دین ہی میں تبدیلی پیدا کر دی اور توحید، رسالت، آخرت، حشر نشر، جنت و دوزخ سے لے کر حرام و حلال اور کتاب و سنت تک، حتیٰ کہ کلمہ اور نماز میں بھی الگ راہ اپنائی۔[95]

مصنف کے نزدیک یہ گمان کرنا درست نہیں کہ حضرت علیؓ نے کوئی گروہ بنا کر اس کا نام شیعانِ علیؓ رکھا۔ یہ تاریخی غلطی ہے۔[96] اس فرقہ نے سنت خیر الانام ﷺ اور تعامل صحابہؓ کو چھوڑا، جو حضور اکرم ﷺ کی شفقت سے محرومی کا سبب ہے۔[97] مصنف نے تقیّہ کو جھوٹ کے مترادف قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت بیان کی ہے۔[98]

ادبی رنگ:

تفسیر سے ادبی رنگ بھی جھلکتا ہے۔ لکھتے ہیں :

---۔ یہاں بیک وقت آتش فشاں آگ اُگل رہے ہیں تو برف کے پہاڑ بھی کھڑے ہیں۔ اگر صحرا ؤں میں ریت اُڑتی ہے تو باغوں میں پھول بھی کھلتے ہیں۔ ایک طرف رات چھارہی ہے، تو دوسری طرف روزِ روشن بھی موجود۔ اگر خُشک سالی آتی ہے، تو برسات بھی آتی ہے۔ ایک طرف خزاں ہے، تو دوسری جانب بہار بھی ہے۔ سونے چاندی کے ذخائر ہیں، تو جواہرات سے بھی (زمین) اٹی پڑی ہے۔ ہر طرح کے بیج اگانے کی صلاحیت لیے ہوئے ہے۔ طرح طرح کے پھل دے رہی ہے، ادنیٰ کیڑے سے لے کر پہاڑ جیسے جسیم جانوروں کے من بھاتے کھاجے پیش کرتی ہے۔ جہاں اس میں درندے ہیں، وہیں ہرنوں کی ڈاریں چوکڑیاں بھرتی ہیں۔ غرضیکہ عرش سے فرش تک جس قدر باقی اجرام ہیں، سارے اسی کی طرف متوجہ ہیں۔--۔ [99]

تفسیر کے مآخذ:

مفسر نے چند قدیم اور جدید تفاسیر سے مدد لی ہے۔ ان کے اہم تفسیری مآخذ میں تفسیر مظہری، تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، تفسیر بیان القرآن از شیخ تھانوی، تفسیر قرطبی، تفسیر روح المعانی، تفسیر کبیر اور تفسیر ابن کثیر شامل ہیں۔ کئی مقامات پر علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا اللہ یار خان کی تصانیف کے نام بھی بطور حوالہ ملتے ہیں۔

خلاصۂ بحث:

الغرض یہ پورے قرآن کی عام فہم تفسیر ہے جس میں مفسر نے فنی باریکیوں میں جائے بغیر، ادبی رنگ میں دعوتی واصلاحی انداز اپناتے ہوئے تفسیر کی ہے۔ مفسّرِ موصوف، تفسیر کرتے ہوئے آیت کے الفاظ کو محور و مرکز نہیں بناتے، بلکہ آیت میں بیان کردہ اہم ترین مضمون کو بنیاد بنا کر اس کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں، اور موضوع سے متعلق معلومات کو یک جاذکر کر دیا جاتا ہے۔ تفسیر کی زبان ادبی ہے اور انداز ایک واعظ وخطیب کا سا ہے۔ بایں وجہ اکثر مقامات پر خطابی

و تقریری اسلوب اپنایا ہے۔ صوفیانہ رنگ نمایاں ہے۔ تاہم قرآن حکیم کی ظاہری تفسیر کی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔ طریقت پر شریعت کو فوقیت دی گئی ہے۔ مفسر کے بیان کردہ صوفیانہ اسرار و معارف شرعی دلائل و براہین کے خلاف نہیں۔ اُن کی تفسیر قرآن کریم کی ظاہری نظم وترتیب کے بھی منافی نہیں ہے۔ تاہم ربطِ آیات اور دیگر فنی مباحث سے اعتنا نہیں کرتے۔ مسائل سلوک اور اصطلاحات تصوف کو دوران تفسیر متعلقہ مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ اوراد و اشغال بھی تعلیم کیے گئے ہیں۔ تفسیر "اسرار التنزیل" میں توحید و معرفت خداوندی کا سبق موثر انداز میں دیا گیا ہے۔
احادیث وآثار اور کتب سیرت سے استفادہ کا رجحان موجود ہے تاہم ضعیف آثار نقل کرنے سے گریز نہیں کیا گیا۔ علوم قرآن کی طرف زیادہ توجہ مبذول نہیں کی گئی۔ کلامی استدلال اور منطقی دلائل میں غلو نہیں کیا گیا، فقہی احکام کا بالعموم کم ذکر کیا گیا ہے۔ صوفیانہ ذوق رکھنے والوں کے لیے یہ تفسیر سکون واطمینان اور انشراح قلب کا ذریعہ ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱- بشریٰ اعجاز: رہ نورد شوق، سارنگ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۴۰
۲- (نفس مصدر)، ص ۵۴
۳- ماخوذ از مجلہ "المرشد" لاہور، (حضرت جی نمبر)، مارچ ۱۹۹۹ء، ص ۸ تا ۱۵
۴- ابوالاحمدین: حیاتِ طیبہ، مکتبہ نقشبندیہ اویسیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۵۱۵
۵۔ ان کتب کے نام ان کے مکتبہ کی شائع شدہ فہرست سے اخذ کیے گئے ہیں۔
۶- پروفیسر عبد الرزاق: تعارف (تفسیر اسرار التنزیل)، نقشبندیہ اویسیہ، لاہور، ۱/ (ط)
۷- (نفس مصدر)، ۱/ ص: (ی)　۸- (نفس مصدر)، ۱/ :(ک)
۹- (نفس مصدر)　۱۰- (نفس مصدر)　۱۱- (نفس مصدر)
۱۲- ملاحظہ کیجیے! اکرم اعوان: اسرار التنزیل، (سورۃ الفاتحہ کی آیت الحمد للہ رب العالمین کی تفسیر)، ۱/ ۳
۲۱- اکرم اعوان: اسرار التنزیل، ۱/ ۳۸　۲۲ - (نفس مصدر)، ۱/ ۶۶
۲۳- (نفس مصدر)، ۱/ ۴۰۶　۲۴- (نفس مصدر)، ۱/ ۴۰۷　۲۵- (نفس مصدر)، ۱/ ۴۱
۲۶- دیکھیے! (نفس مصدر)، ۳/ ۱۸۳، ۳/ ۱۰۴　۲۷ - اکرم اعوان: اسرار التنزیل، ۱/ ۷

۲۸- البقرہ۲: ۱۱　۲۹ - اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/ ۲۰،۲۱
۳۰ -ملاحظہ کیجیے! اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۳۸تا۴۰
۴۷-اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۸۱
۷۳ - البقرہ۲: ۲۲　۷۴- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۲۸
۷۵۔ البقرہ۲: ۱۹　۷۶- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۱۰۷-۱۰۶
۷۷- البقرہ۲: ۱۵۱　۷۸۔ اسرار التنزیل، ۱/۱۴۷
۷۹-اسرار التنزیل،۳/۵۸-۵۷　۸۰- دیکھیے!(نفس مصدر) ، ۱/۱۳۹
۸۱- البقرہ۲: ۹　۸۲- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۱۸،۱۹
۸۳- البقرہ۲:۲　۸۴- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۱۰،۱۱
۸۵- البقرہ۲: ۹۸　۸۶- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۹۰،۹۱
۸۷۔ البقرہ۲: ۱۳۴　۸۸- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۱۲۶
۸۹- آل عمران۳: ۱۱۰　۹۰- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۳۸۳
۹۱- الاعراف۷: ۱۵۶　۹۲- اسرار التنزیل،۳/۱۸۵،۱۸۶
۱۳- آل عمران۳: ۱۹۰　۱۴- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۴۳۹-۴۳۸
۱۷- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۲۸　۱۶- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۳/۹۶-۹۵
۱۷- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۶　۱۸-(نفس مصدر)،۳/۳۵-۳۴
۱۹- (نفس مصدر)،،۱/۱۳۸　۲۰- (نفس مصدر)،،۳/۲۴۶،۳/۲۵۳
۹۳- ۶۵: الانعام　۹۴- ماخوذ از اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/ ۳۰تا۴۰
۹۵- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۳/۴۱　۹۶- (نفس مصدر)،،۳/۱۰۳
۹۷- (نفس مصدر)،،۳/۱۰۳،۱۰۴　۹۸- (نفس مصدر)،،۱/۴۲۷
۳۱۔ البقرۃ۲: ۳۶　۳۲- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۴۳
۳۳- البقرۃ۲: ۵۰　۳۴- ملاحظہ کیجیے! اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۵۶
۳۵- البقرۃ۲: ۵۱　۳۶- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۵۶
۳۷- البقرۃ۲: ۵۴　۳۸- اکرم اعوان: اسرار التنزیل،۱/۵۷

۳۹- (نفس مصدر)،۱/۷۰ ۴۰- (نفس مصدر)،۱/۹۸

۴۱- سید محمد ذوقی: سرِّ دلبراں، الفیصل، ناشران، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۸۴

۴۲- (نفس مصدر)، ص ۵۳ ۴۳- البقرہ ۲: ۱۲۴

۴۴- دیکھیے! اکرم اعوان: اسرارالتنزیل، ۱/۱۱۱(سلوک کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ کیجیے!

سرِ دلبراں، ص ۲۴۰) ۴۵- البقرۃ ۲: ۱۴۲

۴۶- اکرم اعوان: اسرارالتنزیل، ۱/ ۱۳۲، ۱۳۳ ۴۷-(نفس مصدر)،،۱/۱۴۶۔۱۴۷

۴۸- (نفس مصدر)، ۱/۱۵۳ ۴۹- آل عمران ۳ : ۱۲۱

۵۰- اکرم اعوان: اسرارالتنزیل، ۱/۳۹۳ ۵۱- الانعام ۶: ۷۵

۵۲-اکرم اعوان: اسرارالتنزیل، ۳/۴۹-۴۸ ۵۳-(نفس مصدر)، ۳/۲۳۱

۵۴- (نفس مصدر) ، ۳/۳۴۳ ۵۵- (نفس مصدر) ، ۱/۴۴

۵۶- الاعراف ۷: ۱۴۲ ۵۷- تفصیل کے لیے دیکھیے !اسرارالتنزیل،۳/۱۷۷

۵۸- ملاحظہ کیجیے !سید محمد ذوقی: سرِ دلبراں، ص:۲۰۸،۲۰۹ ۵۹- الاعراف ۷: ۱۸۰

۶۰- اکرم اعوان: اسرارالتنزیل، ۳/۲۰ ۶۱- (نفس مصدر)، ۳/۲۵۴

۶۲- (نفس مصدر)، ۱/۱۴۸-۱۴۹ ۶۳- اکرم اعوان: اسرارالتنزیل، ۱/۱۶

۶۴- البقرہ ۲: ۳ ۶۵- اکرم اعوان: اسرارالتنزیل، ۱/۱۳

۶۶- آل عمران ۳: ۱۲۴ ۶۷- اکرم اعوان: اسرارالتنزیل، ۱/۳۹۵

۶۸- (نفس مصدر)،۱/۸۷، نیز ۱/۱۱۹ ۶۹- (نفس مصدر)، ۱/۱۱۳تا۱۱۶

۷۰- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو !اکرم اعوان: اسرارالتنزیل،۱/۱۲۰ ۷۱- (نفس مصدر)

۹۹- (نفس مصدر)، ۱/۳۶